

رشید احمد صدیقی اور ذخیرہ نقوش

مصباح رضوی

صائمہ ارم

Abstract

The "Collection of Naqoosh" contains a wealth of valuable unpublished letters, manuscripts, speeches and writings of famous Urdu writers and poets. This article is based on the introduction and importance of Rasheed Ahmed Siddiqui's published and unpublished assets as well as his writings in this collection. Rasheed Ahmed Siddiqui is one of the leading Urdu writers. He has a unique and prominent position as an excellent essayist, humorist, intellectual, critic and teacher.

محمد طفیل کے صاحبزادے جاوید طفیل نے ۲۰۰۵ء میں ”ذخیرہ نقوش“ جی سی یونیورسٹی کو عطیہ کیا۔ یہ ذخیرہ ”رسالہ نقوش“ کی مکمل فائل، مسودات اور خطوط کے نادر اثاثے پر مشتمل ہے۔ گو کہ اس اثاثے کے بعض قدردان انہیں اس کی خطیر قیمت ادا کرنے پر آمادہ تھے مگر یہ عطیہ انہوں نے جی سی یونیورسٹی کے لیے مخصوص کیا۔ یہ بات جاوید طفیل کی گورنمنٹ کالج سے قلبی وابستگی کا ثبوت بھی ہے اور بقول ان کے ڈاکٹر نذیر احمد کی اس حیرت کا جواب بھی جو گورنمنٹ کالج میں داخلہ دیتے وقت انہیں جاوید طفیل کے کم نمبر دیکھ کر ہوئی تھی۔ جس پر وہ بے اختیار بولے کہ ”تو طفیل داپتریں“ اور پھر دوبارہ کہا ”تو سچی مچی ”طفیل داپتریں“ یعنی ”اتنے لائق باپ کا ایسا نالائق بیٹا“۔ جاوید طفیل نے یہ نوادرات جی سی یونیورسٹی کو سونپتے وقت کہا کہ:

”میں نے سوچا کہ مناسب وقت آ گیا ہے کہ میں یہ اثاثہ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی کے سپرد کر کے مستقبل کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں۔ اس طرح شاید ڈاکٹر نذیر صاحب اپنا حیرانی

یکھلا ہوا منہ بند کر سکیں اور یہ بات بھی ختم ہو جائے کہ ”تو سچی مچی طفیل داپتریں“ (۱)

اس نادر اور نایاب ذخیرے کو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لائبریری میں ایک ریسرچ سنٹر قائم کر کے ”ذخیرہ نقوش“ کے نام سے محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ۲۰۰۵ء سے اب تک اس ذخیرے کے حوالے سے کئی اہم کام سامنے آچکے ہیں۔ ذخیرے کے عطیات میں غیر مطبوعہ خطوط کی اہمیت سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ خطوط جوں جوں شائع ہوتے رہیں گے تحقیق و تنقید کے ساتھ ساتھ مشاہیر کی شخصیت شناسی کے مرحلے بھی طے ہوتے جائیں گے۔ ڈاکٹر محمد سعید

ذخیرے میں موجود مکاتیب کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”ادارہ نقوش کے عطیہ، اس ذخیرہ نوذرات کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ کم از کم پاکستان کی حد تک کسی بھی تعلیمی ادارے کی لائبریری میں اصل مکاتیب کا ایسا نادر ذخیرہ موجود نہیں ہے۔“

“(۲)“

ذخیرہ نقوش میں ہزاروں مکاتیب کا نادر اثاثہ موجود ہے۔ ان خطوط کو وقتاً فوقتاً شائع کیا جا رہا ہے۔ پہلی بار بیس (۲۰) مشاہیر کے چار سو (۴۰۰) خطوط کو جی سی یونیورسٹی کے رسالے ”تحقیق نامہ“ میں شائع کیا گیا۔ دیگر مشاہیر ادب کی طرح رشید احمد صدیقی کے غیر مطبوعہ خطوط بھی اس ذخیرے کا گراں قدر حصہ ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا نام اور کام اردو ادب میں ایک نمایاں مقام اور مرتبے کا حامل ہے۔ وہ اپنی فکر اور اسلوب کے حوالے سے منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ وہ بہترین انشا پرداز، طنز اور مزاح نگار، دانشور، نقاد اور معلم تھے۔ وہ ذاتی زندگی میں کم آمیز، کم گو، سنجیدہ اور شہرت سے بچ کر چلنے کے عادی تھے۔ ان کی شخصیت کی متانت اور سنجیدگی سے ان کی تحریروں کے تیکھے اور شوخ انداز کو کوئی نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ رشید احمد صدیقی کی تحریروں اور شخصیت کو موضوع بنا کر بہت کچھ لکھا گیا اور ابھی بہت سی گنجائش باقی ہے۔ اس کی ایک دلیل ”ذخیرہ نقوش“ کا وہ حصہ ہے جو رشید احمد صدیقی سے متعلق ہے۔

محمد طفیل اور ”نقوش“ سے ان کے گہرے اور قدیم مراسم تھے۔ ”نقوش“ کے ایک سواڑتالیں (۱۴۸) شماروں میں ان کی بہت سی تحریریں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں۔ اس کے علاوہ محمد طفیل کے ساتھ ان کی مراسلت کا سلسلہ بھی زندگی کے اخیر تک جاری رہا۔ ”ذخیرہ نقوش“ کے توسط سے رشید احمد صدیقی کی مطبوعہ تحریروں، مسودات اور غیر مطبوعہ خطوط کا ایک گراں قدر اثاثہ ہاتھ آیا۔ اس اثاثے کی موجودگی اور مطالعے سے رشید احمد صدیقی کے حوالے سے گذشتہ معلومات میں بیش قدر اضافہ ممکن ہو سکے گا۔ ”ذخیرہ نقوش“ میں دستیاب رشید احمد صدیقی کے اس اثاثے کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ رشید احمد صدیقی کے غیر مطبوعہ خطوط

۲۔ رشید احمد صدیقی کے مسودات

۳۔ رشید احمد صدیقی کی نقوش میں شائع ہونے والی تحریروں اور خطوط

۴۔ رشید احمد صدیقی کے متعلق نقوش میں شائع ہونے والی تحریروں

مشاہیر ادب کے خطوط کو شائع کرنے کا سلسلہ دن بدن فروغ پا رہا ہے جس سے تنقید و تحقیق کے نئے امکانات روشن ہو رہے ہیں۔ ادبی تاریخ کی ان اہم دستاویزات کی مدد سے ادیب اور شاعر کی شخصیت اور فن کے گوشے ہی منور نہیں ہوتے بلکہ یہ خطوط ادب فہمی اور ذوق کی بالیدگی کے لیے بھی موثر ثابت ہوتے ہیں۔ رشید

احمد صدیقی کے خطوط کا شمار بھی بالخصوص ایسے ہی مشاہیر کی فہرست میں ہوتا ہے۔ ”ذخیرہ نقوش“ میں ان کے چھتر (۶۶) غیر مطبوعہ خطوط اور ”انجمن حدیقتہ الشعراء“ کے اجلاس کے لیے لکھے گئے دو ڈرافٹ موجود ہیں۔ خطوط میں سے چونٹھ (۶۴) خط محمد طفیل کے نام ہیں اور بارہ (۱۲) خط دیگر افراد کے نام ہیں جن میں سے دو (۲) خط ایسے ہیں جو رشید احمد صدیقی کے رسم الخط میں تحریر نہیں بلکہ کسی اور نے نقل کیے ہیں۔ دیگر افراد کے نام ان خطوں کی کیفیت رسمی، تدریسی اور انتظامی امور سے متعلق ہے۔ ان میں سے چھ خط ایسے ہیں جو تاریخ کے اندراج کے حوالے سے کلی یا جزوی طور پر نامکمل ہیں۔ مثال کے طور پر مولانا احسن مارہروی کے نام ایک خط میں تاریخ کی ضمن میں فقط ”۱۸ جولائی“ درج ہے۔ اس مختصر خط میں رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

”تقدیر و تبرہ فوراً بھیجے۔ سخت انتظار ہے۔ اس اختصار نو لیبی کو میری بدحواسی پر محمول فرمائیے اور

بدحواسی کو طلب تقدیر پر“ (۳)

ان نو خطوں میں تاریخ تحریر کی طرح مخاطب کا نام لکھنے کا اہتمام بھی خصوصیت کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ چھ خط ایسے ہیں جن پر مخاطب کا نام درج نہیں۔ ذخیرہ خطوط کا وسیع تر حصہ محمد طفیل کے نام لکھے گئے خطوط پر مبنی ہے۔ محمد طفیل کے نام یہ خطوط فروری ۱۹۵۱ء سے لے کر دسمبر ۱۹۷۰ء تک کے عرصے پر محیط ہیں۔ چند ایک کے سوا یہ تمام تر خطوط پوسٹ کارڈ ہیں۔ محمد طفیل نے ان کو خوب حفاظت سے رکھا۔ اسی وجہ سے بیشتر خطوط افتاد زمانہ سے محفوظ رہے۔ یہ خطوط اپنے اسلوب اور مواد کے اعتبار سے دلچسپی سے بھرپور ہیں۔ رشید احمد صدیقی نے محمد طفیل سے اپنے تعلق کو محض مصنف اور مدیر کے دائرے تک محدود نہ رکھا بلکہ دو طرفہ محبت، خلوص اور ہم آہنگی نے اس تعلق کو دوستانہ حدود میں داخل کر دیا۔ دونوں اصحاب بیک وقت ایک دوسرے کے کارناموں کے قدردان بھی تھے اور مدح خواں بھی۔

محمد طفیل کے نام ان غیر مطبوعہ خطوط کا بنیادی اور نمایاں موضوع تو رسالہ ”نقوش“ ہی رہا لیکن ایک صاحب اسلوب، اعلیٰ درجے کے صاحب ذوق اور نکتہ سخن کی تحریف فقط روایتی الفاظ و معنی کا مجموعہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے رشید احمد صدیقی کی یہ مراسلت بھی اپنے باطن میں تہذیب و تاثیر کا عمدہ نمونہ دکھائی دیتی ہے اور اپنے ظاہر میں مختلف انواع کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ خطوط کے تفصیلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید احمد صدیقی رسالہ ”نقوش“ کو اردو کے بہترین رسالوں میں شمار کرتے ہیں۔ وہ ان خطوں میں رسالے کے معیار اور محمد طفیل کی ان تھک محنت کے بارہا معترف ہوئے۔ مگر جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ”نقوش“ کی بہتری کے لیے تجاویز بھی پیش کرتے رہے۔ ان کے اکثر خطوط میں رسالہ نقوش کی بروقت وصولی پر شکرگزاری کے جذبات کا اظہار ہے۔ وہ نقوش میں معیاری تحریروں کی مسلسل اشاعت پر مبارکباد اور تعریف و تحسین پر مبنی جملوں سے حوصلہ افزائی کرتے۔ مضامین کے لیے محمد طفیل کے بے حد اصرار اور تقاضوں کے جواب میں ان کی دلچسپ عذرخواہی بھی خطوں کا حصہ ہے اور گاہے گاہے ”نقوش“ کے لیے مضامین بھجوانے کا عندیہ بھی دیا گیا ہے۔ اچھے اور بے تکلف دوستوں کی طرح پاکستان سے

کتابیں منگوانے اور دیگر کچھ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی وہ محمد طفیل پر بھروسہ کرتے۔ راز و نیاز کی باتیں لکھنے میں بھی انھیں کچھ تامل نہ ہوتا۔ وہ محمد طفیل کی شکایتوں کو رفع کرنے کے جتن بھی کرتے اور اپنے شکوے بھی گوش گزار کرنے سے نہ چوکتے۔

یہ خط اس وقت اپنائیت، ہمدردی اور دوستی کا بہترین نمونہ معلوم ہوتے ہیں جب رشید احمد صدیقی، محمد طفیل سے اپنی نجی زندگی کے مسائل مختصراً بیان کرتے ہیں۔ گو کہ وہ ان مسائل کی تفصیل میں تو نہ جاتے مگر ان جیسی کامر بند شخصیت کا کسی کے سامنے درد و غم کا اظہار کرنا ان کے تعلق خاطر کی دلیل ہے۔ مختصراً یہ کہ محمد طفیل سے ان کا تعلق اور قلبی لگاؤ ان کے دوستانہ انداز بیان سے بھی جھلکتا ہے اور ان کے خطوں کے مواد سے بھی۔ مزید یہ کہ یہ خطوط رشید احمد صدیقی کے ادبی اور اخلاقی نظریات کی وضاحت بھی کرتے ہیں اور ان کی شخصیت اور اسلوب کے حسن سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ یہ خط ہر باذوق قاری کی تسکین طبع پر پورے اترتے ہیں۔ ذیل میں ان خطوط سے چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ رسالہ نقوش کی تعریف کرتے ہوئے رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

”خاص نمبر شائع کرنے میں آج شاید آپ کا کوئی ہمسر نہیں آپ یقیناً اپنے کارناموں پر فخر کر سکتے

ہیں اور ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔“ (۴)

محمد طفیل جس محنت اور شوق سے رسالہ نقوش شائع کرنے کا اہتمام کرتے، اس کی داد رشید احمد صدیقی نے اپنے کئی خطوں میں دی۔ مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:

”حسب معمول یہ نمبر آپ نے جس غیر معمولی محنت اور سلیقے سے مرتب اور شائع کیا ہے۔ اس

سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس طرح کے کارناموں میں اس وقت آپ کا کوئی ثانی نہیں“ (۵)

محمد طفیل کے ساتھ چونکہ ان کا تعلق ادب دوستی اور خیر خواہی کا تھا۔ اس لیے وہ تعریف و تحسین کا حق بھی ادا کرتے رہے اور رسالے کی بہتری کیلئے خلوص دل سے تجاویز اور آرا بھی پیش کرتے رہے۔ نقوش کے لاہور نمبر کو پڑھنے کے بعد خط میں تجویز دیتے ہوئے لکھا کہ:

”کبھی ممکن ہو تو اس نمبر کا ضمیمہ بھی شائع کر دیجئے گا۔ جس میں لاہور اور اس کے مضافات کی

مخصوص عوامی زندگی کے مختلف مناظر ہوں اس سے آپ کا یہ نمبر جگمگانے لگے گا۔“ (۶)

سوانح اور شخصیت نگاروں کی فراہم کردہ معلومات سے پتا چلتا ہے کہ رشید احمد صدیقی علی گڑھ یونیورسٹی کے کاموں کے حوالے سے بے حد مصروف رہتے جو وقت بچ جاتا اس کو گھریلو زندگی میں صرف کر دیتے۔ وہ شہرت کی خاطر خواہ مخواہ اور بلاوجہ دفتر کے دفتر سیاہ کر دینے کے قائل نہ تھے۔ اسی لیے یا تو رشید احمد صدیقی تب لکھتے جب طبیعت آمادہ ہوتی یا اس وقت جب مضامین کے تقاضے ناک میں دم کر دیتے۔ اہل احمد سرور نے اپنے مضمون ”رشید صاحب۔ یک ذاتی تاثر“ میں لکھا کہ:

”انہیں کوئی مضمون لکھنا ہو تو آخر وقت تک نالے“ (۷)

محمد طفیل کے نام رشید احمد صدیقی کے غیر مطبوعہ خطوط میں مضامین نہ لکھ پانے کے حوالے سے جس تعداد میں عذراور معذرت کی گئی ہے اس سے محمد طفیل کے اصرار مسلسل کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ ان غیر مطبوعہ خطوں میں اکثر معذرت کی گئی ہے کہ وہ محمد طفیل کے بے حد اصرار کے باوجود مضامین نہیں لکھ پائے مثلاً

”مضمون کہاں کہ آپ کی فرمائش پوری کر کے شرمندگی سے نجات پاؤں جو ایک عرصے سے

دامن گیر نہیں گلوگیر ہے لیکن لکھ نہ پاؤں تو ناچار کیا کروں۔ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے کہ

پیش کر سکوں۔“ (۸)

ان خطوں میں راز و نیاز بھی ہیں اور نجی معاملات کا بیان بھی، جو باہمی اعتماد اور اعتبار کی دلیل ہیں۔ مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

”ایک پبلیشر صاحب نے دہلی میں میری معلوم نہیں کون کون سی کتابیں چھاپ ڈالیں اور نفع

اٹھایا..... شخص مذکورہ اسی طرح کا آدمی ہے اس سے عہدہ براہ ہونا آسان نہیں..... زیادہ زیر بار

ہونے سے کیا نتیجہ..... اس واقعے کی اشاعت نہ کیجیے گا معلوم نہیں الٹا کون سا قانونی فتنہ کہاں

سے اٹھ کھڑا ہو۔“ (۹)

”ایک نجی سانحے کی وجہ سے طبیعت پر بڑا اثر ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ نفس کے مطالبات

تک گراں گزرتے ہیں۔“ (۱۰)

”زندگی کچھ اس طرح گزر رہی ہے کہ جو چاہتا ہوں کر نہیں پاتا، اور جو نہیں چاہتا وہ کرنا پڑتا ہے۔

جبر و اختیار کی یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے..... کچھ دنوں سے آنکھوں کی تکلیف ہے۔ اس قسم کی

تکلیف جو بڑھاپے کی طرح ”آ کے نہ جائے۔“ (۱۱)

رشید احمد صدیقی کے ان خطوط میں ان کی زندگی، شخصیت، ادبی نظریات کے علاوہ بھی کئی پہلوؤں کی وضاحت ہوتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خط انشا نگاری کا لطف بھی دیتے ہیں اور قاری کا دل بھی بہلاتے ہیں۔ ان غیر مطبوعہ خطوط کے علاوہ ”ذخیرہ نقوش“ میں رشید احمد صدیقی کے مضامین کے مسودات بھی موجود ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی جو تحریریں رسالہ ”نقوش“ میں شائع ہوئیں، ان میں سے دو تحریروں کے مسودات ذخیرہ نقوش میں موجود ہیں۔ محمد طفیل نے خطوں کی طرح ان مسودات کو بھی احتیاط سے سنبھال کے رکھا۔ اسی لیے یہ آج تک بہتر حالت میں موجود ہیں۔ پہلے مسودے کا عنوان ”جگر صاحب“ ہے۔ رشید احمد صدیقی کا یہ مضمون نقوش میں دوبار شائع ہوا پہلی بار شخصیات نمبر، جنوری ۱۹۵۵ء کے شمارے میں اور دوسری بار نقوش کے ”ادب عالیہ نمبر“ ۱۹۶۰ء میں۔ دوسرا

مسودہ ان کے ایک دلچسپ مضمون بعنوان ”ایک سڑک، ایک ستون، ایک اسکول“ کا ہے۔ یہ مضمون رسالہ ”نقوش“ میں جون ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

رشید احمد صدیقی کے مضمون ”ایک سڑک، ایک ستون، ایک اسکول“ کا مسودہ فل سائز کے لائنوں والے کاغذ کے بارہ (۱۲) اوراق پر مشتمل ہے۔ ان اوراق کی ایک جانب لکھا گیا ہے جبکہ دوسری جانب کا صفحہ خالی ہے۔ یوں کل لکھے ہوئے صفحات کی تعداد بارہ (۱۲) ہے۔ ہر صفحے پر تینتیس (۳۳) سطریں ہیں۔ ان تمام سطروں پر دائیں طرف سے معمولی حاشیے اور پیرا گراف کے معمولی وقفوں کے سوا ہر سطر پر بھرپور انداز میں لکھا گیا ہے۔ بلکہ صفحہ نمبر ۳ پر آخری سطر کے بعد کے خالی حصے میں گنجائش پیدا کر کے دو سطریں اور بڑھادی گئی ہیں۔ یہ مسودہ نیلی روشنائی سے تحریر کیا گیا ہے۔ جب کہ مصنف نے نظر ثانی کے لیے سبز رنگ کے قلم کا استعمال کیا ہے اور اسی قلم سے صفحات کے نمبروں کا اندراج بھی کیا ہے۔ نظر ثانی کے دوران کہیں کہیں اصلاح کی گئی ہے۔ اصلاح کی کئی صورتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

۱۔ سبز رنگ کے قلم سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ لفظوں کو قلم زد کر کے ان کی جگہ نیا لفظ لکھا گیا۔ مثلاً کہیں ”کا“ کے لفظ کو کاٹ کر ”کے“ لکھا ہے۔ کہیں ”ہے“ کاٹ کر ”ہیں“ لکھا ہے اور ایک جگہ ”درستی“ کو کاٹ کر ”درستی“ لکھا گیا ہے۔

۲۔ کچھ جملوں میں غیر ضروری الفاظ کو کاٹ دیا گیا ہے اور چند ایک مقامات پہ ایک آدھ لفظ کا اضافہ کیا گیا جس سے رواں جملے کے حسن و ابلاغ میں مزید اضافہ ہوا۔

۳۔ کئی جگہ سبقت قلم کے باعث الفاظ درج ہونے سے رہ گئے تھے ان کو نظر ثانی میں درج کیا گیا۔
۴۔ اکثر جگہوں پر الفاظ کو دوبارہ خوشخط کر کے لکھا گیا تاکہ پڑھنے میں کوئی ابہام پیدا نہ ہو۔
رشید احمد صدیقی کے اس مسودے کا جب رسالہ نقوش کے طبع شدہ مضمون سے موازنہ کیا گیا تو معلوم ہوا مدیر ”نقوش“ نے مسودے کو جوں کا توں شائع کرنے کا پورا اہتمام کیا مگر چند ایک جگہ پر ترمیم و اضافے سے بھی کام لیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رشید احمد صدیقی کا طریقہ تحریر یہ ہے کہ جب وہ کسی ایسے انگلش لفظ کو تحریر کرتے جو اردو کی بول چال میں شامل ہو گیا ہو تو وہ اس لفظ کو تحریر کرتے ہوئے پہلے اس کو اردو املا میں لکھتے ہیں بعد میں بریکٹ میں اسی لفظ کو انگلش املا میں لکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

۱۔ ”دور نزدیک ہر مکان کی پشت پر رضا کارانہ محنت سے اوپن ایئر (airopen) بیت الخلاء بنا

دیے گئے“ (۱۲)

۲۔ اس طرح سلم (SLUM) کا توسیعی پروگرام بروئے کار آنے لگا“ (۱۳)

مسودے میں ایک سے زیادہ جگہ پر بریکٹ کی انگلش املا تحریر ہونے سے رہ گئی۔ مدیر ”نقوش“ نے

منشائے مصنف کے مطابق شائع ہونے والے مضمون میں بریکٹ میں انگلش املا کو شامل کر دیا۔ اس طرح رشید احمد صدیقی اگر تحریر میں کوئی مشکل انگلش لفظ یا اصطلاح استعمال کرتے تو بریکٹ میں اس کا ترجمہ لکھ دیتے۔ دو ایک جگہ انھوں نے انگلش املا میں لفظ لکھا مگر ترجمہ نہ لکھ سکے۔ مدیر نقوش نے ایسے الفاظ کے سامنے بریکٹ میں ترجمے کا اضافہ کر دیا۔ رشید احمد صدیقی رموز اوقاف کے معاملے میں بہت محتاط نہ تھے۔ وہ اکثر جملوں کے آخر میں ندائیہ اور فجائیہ کا نشان (!) لگاتے ہیں۔ مدیر نقوش نے زیادہ تر رموز اوقاف کو مسودے کے مطابق جوں کا توں شامل کیا مگر کہیں کہیں ندائیہ و فجائیہ کے اس نشان کو جملے کی نوعیت کے مطابق سکتہ اور سوالیہ کی علامت سے تبدیل کر دیا گیا۔ رشید احمد صدیقی کے نظر ثانی کے باوجود دو چار جگہ لفظ درج ہونے سے رہ گئے۔ مدیر ”نقوش“ نے ان جملوں میں از خود ان لفظوں کا اضافہ کیا۔ یہ اضافہ شدہ لفظ جملے کے فطری اور رواں انداز کے عین مطابق ہیں۔

رشید احمد صدیقی اکثر لفظوں کو ملا کر لکھنے کے عادی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ہائے ملفوظ اور ہائے مخلوط کے فرق کو بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔ مدیر نقوش نے رشید احمد صدیقی کے ایسے الفاظ کی املا کو رائج املا کے مطابق شائع کیا۔ مثال کے طور پر

گھر (گھر)۔ کہاتے (کھاتے)۔ سمجھوتہ (سمجھوتا)۔ سپے (سے)۔ تہا (تھا)

ہوں (ہوں)۔ بڑہنے (بڑھنے)۔ اسکو (اس کو)۔ کیگئی (کی گئی)۔ دیجائے (دی جائے)

اندھیرے (اندھیرے)۔ گدھوں (گدھوں)۔ ساتھ (ساتھ)۔ تنو (نتو)

مسودے اور طبع شدہ مضمون کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ مدیر نقوش نے منشائے مصنف کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور طباعت میں جو معمولی ترامیم یا اضافے کیے گئے ہیں وہ رشید احمد صدیقی کے اسلوب اور طریقہ کار کے مطابق ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ اس خوش خط مسودے کو مدیر نقوش نے بڑی احتیاط اور ذمہ داری سے شائع کیا۔ ”ذخیرہ نقوش“ میں رشید احمد صدیقی کے دوسرے قلمی مسودے کا عنوان ”جگر صاحب“ ہے۔

یہ مسودہ کاپی کے ساز کے لائنوں والے بارہ (۱۲) اوراق پر مشتمل ہے۔ مسودے کے اوراق کی ایک جانب مضمون لکھا گیا ہے۔ یوں تحریری مسودہ بارہ (۱۲) صفحات پر مشتمل ہے۔ دائیں ہاتھ معمولی حاشیے کو چھوڑ کر تمام صفحے پر بھر پور انداز میں لکھا گیا ہے۔ ہر صفحے پر انیس (۱۹) سطریں ہیں جن کو تحریر سے پر کیا گیا ہے۔ مسودے میں نیلی روشنائی لکھنے کے لیے استعمال ہوئی ہے اور اسی رنگ کی روشنائی کے ساتھ نظر ثانی کے دوران متن میں اضافہ و ترمیم اور کاٹ چھانٹ کی گئی ہے۔ مسودے کے اکثر صفحات کچھ جگہوں سے داغ دار ہیں مگر ان کی وجہ سے پڑھنے میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آتی۔ بارہ (۱۲) صفحات پر مشتمل یہ مسودہ رسالہ نقوش کے چھ صفحات پر شائع ہوا۔ مسودے کے صفحات پر ایڈیٹر نے رسالہ نقوش کے صفحات کے مطابق ایک سے چھ تک نمبروں کا اندراج کیا ہے۔ مدیر نقوش نے رموز اوقاف کی معمولی تبدیلی کے علاوہ اس مضمون کو جوں کا توں رسالے میں شائع کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی کو دو لفظوں کو ملا کر لکھنے کی عادت تھی۔ اس مسودے میں بھی ایسے کئی الفاظ ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر مجھ

(مجھ پر)، اسطور (اس طور)، ایک دوسرے (ایک دوسرے)، ایک دفعہ (ایک دفعہ) وغیرہ۔ نقوش کے ایڈیٹر نے اس مسودے کی اشاعت کے دوران زیادہ تر لفظوں کو الگ الگ کر کے رائج طریقے سے شائع کیا مگر کچھ جگہ مسودے کے مطابق ہی ملا کر لکھے گئے الفاظ کو اسی طرح شائع کر دیا گیا۔ مثال کے طور پر: پیرحم (بے رحم)، رکھ دیا (رکھ دیا)، وغیرہ۔ جیسا کہ اس سے پہلے مسودے میں تفصیلاً ذکر ہو چکا کہ رشید احمد صدیقی اکثر ہائے مخلوط کو ہائے ملفوظ میں بدل دیتے، یا ہائے ملفوظ کو ہائے مخلوط میں بدل دیتے۔ اس مسودے میں بھی املا کی یہی صورت نظر آتی ہیں۔ مسودے سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں: مجہ (مجھ)، سمجھیں (سمجھیں)، ہم (ہم)، ہنسنا (ہنسنا) وغیرہ۔ نقوش میں ایسے الفاظ کی املا کو رائج املا سے بدل دیا گیا۔ پہلے مسودے کی طرح یہ مسودہ بھی آخر سے ناکمل ہے۔ رسالہ نقوش میں شائع ہونے والے مضمون ”جگر صاحب“ کی آخری گیارہ سطریں اس مسودے میں شامل نہیں۔ معلوم ہوتا ہے مسودے کا آخری صفحہ جس پر مضمون کا آخری حصہ درج تھا وہ مسودے سے الگ ہو گیا ہے۔ یہ دونوں مسودات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ان کے مطالعے سے رشید احمد صدیقی کی املائی خصوصیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور مسودے اور طبع شدہ مضمون کے تقابلی مطالعے سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ محمد طفیل نے بطور مدد پرینٹا مصنف کا کتنا لحاظ رکھا۔

غیر مطبوعہ خطوط اور مسودات کے علاوہ ”ذخیرہ نقوش“ میں رسالہ نقوش کی مکمل فائل موجود ہے جس کے مختلف نمبروں میں رشید احمد صدیقی کی نگارشات شائع ہوتی رہیں۔ رشید احمد صدیقی کی جو تحریریں نقوش میں شائع ہوئیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ خطوط رشید احمد صدیقی

۱۔ مضامین رشید احمد صدیقی

رشید احمد صدیقی کی نقوش کے ساتھ گہری وابستگی رہی۔ وہ ”نقوش“ کے ہر شمارے کا مطالعہ ذوق و شوق سے کرتے۔ ان کی رائے میں اردو کے رسائل میں نقوش کا مقام و مرتبہ نمایاں اور بلند ہے۔ محمد طفیل کے اصرار پر وہ اپنی تحریریں گاہے گاہے نقوش میں اشاعت کے لیے بھیجتے رہتے تھے۔ رشید احمد صدیقی کی کوشش ہوتی کہ وہ اشاعت کے لیے نقوش کو ہر بار کوئی تازہ تحریر فراہم کریں۔ لیکن اگر کوئی پرانا مضمون نقوش کو اشاعت کے لیے بھیجتے تو اس کو بھیجنے کا منطقی جواز بھی پیش کرتے۔ مثال کے طور پر نقوش میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون ”دھوبی“ کے بارے میں اپنے ایک غیر مطبوعہ خط میں لکھتے ہیں کہ ایک عزیز کی فرمائش اور بے حد اصرار پر انٹر کالج میگزین میں اپنا مضمون ”دھوبی“ لکھ کر بھیجا تھا اب:

”نظر ثانی کا موقع ملا تو وہ ضخامت میں بھی بڑھ گیا اور بعض دوسرے اعتبار سے بھی بہتر ہو

گیا..... اگر آپ اشاعت فرمائیں تو بھیج دوں“ (۱۴)

محمد طفیل جب بھی مضمون لکھنے کا کہتے، رشید احمد صدیقی جواباً اپنی مجبوریوں اور معذوریوں کا ذکر کر کے معذرت کر لیتے مگر اس کے باوجود رسالہ نقوش میں رشید احمد صدیقی کے چودہ (۱۴) مضامین شائع ہوئے جن کی

تفصیل ذیل میں درج ہے۔

- ۱۔ ”کچھ فسانہ عجائب کے بارے میں“، شمارہ ۳۵-۳۶، اکتوبر نومبر، ۱۹۵۳ء
 - ۲۔ ”جگر صاحب“، شمارہ ۴۷-۴۸، شخصیات نمبر ۱، جنوری ۱۹۵۵ء
 - ۳۔ ”ارہر کا کھیت“، طنز و مزاح نمبر، شمارہ ۷۱-۷۲، فروری ۱۹۵۹ء
 - ۴۔ ”کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور“، شمارہ ۷۵-۷۶، پطرس نمبر، ستمبر ۱۹۵۹ء
 - ۵۔ ”دھوبی“، شمارہ ۹۷، مارچ ۱۹۶۳ء
 - ۶۔ ”ایک سڑک، ایک ستون، ایک سکول“، شمارہ ۹۸، جون ۱۹۶۳ء
 - ۷۔ ”دیباچہ“، (شوکت تھانوی نمبر) شمارہ ۹۹، ستمبر ۱۹۶۳ء
 - ۸۔ ”رشید احمد صدیقی: آپ بیتی“، نقوش آپ بیتی نمبر، حصہ دوم، جون ۱۹۶۴ء
 - ۹۔ ”عزیزان ندوہ کے نام“، شمارہ ۱۱۵، دسمبر ۱۹۷۰ء
 - ۱۰۔ ”غالب کی شاعری“، شمارہ ۱۱۶، (غالب نمبر ۳)، ۱۹۷۱ء
 - ۱۱۔ ”غالب کی شخصیت“، شمارہ ۱۱۶، (غالب نمبر ۳)، ۱۹۷۱ء
 - ۱۲۔ ”خطبہ- جلسہ تقسیم اسناد“، سالنامہ شمارہ ۱۱۸، جولائی ۱۹۷۳ء
 - ۱۳۔ ”میر مرحوم عجب تھا کوئی“، (افسانہ نمبر) شمارہ ۹۱۱، ستمبر ۱۹۷۷ء
 - ۱۴۔ ”کچھ اقبال کبیارے میں“، (اقبال نمبر ۲) شمارہ ۱۲۳، دسمبر ۱۹۷۷ء
- ان میں سے ایک مضمون بعنوان ”جگر صاحب“ نقوش میں دوسری بار ”ادب عالیہ نمبر اپریل ۱۹۶۰ء“ میں بھی شامل ہوا۔

مضامین رشید احمد صدیقی اسلوب اور فکر کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہیں۔ مضامین کی ہر سطر اپنے باطن میں جہان معنی سموئے ہوئے ہیں اور اپنے ظاہر میں شائستگی، روانی اور لطیف انداز بیان کا بحر بیکراں دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنے مضامین میں بات سے بات نکالتے ہیں اور مقامی معاملات کو قومی اور عالمی مسائل سے جوڑتے دیتے ہیں۔ غیر محسوس انداز میں آگے بڑھتی ہوئی ان کی بات بہت دور نکل جاتی ہے۔ رشید احمد صدیقی اپنی گفتگو کے منطقی تانے بانے کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری کو مسائل کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی کوششیں اور حکمت عملیاں کس عدم توازن کی بنا پر مطلوبہ نتائج تک نہیں پہنچ پاتیں۔ رشید احمد صدیقی کا حسن بیان ایسے پیچیدہ موضوعات کو بڑی سہولت سے قاری کے ذہن میں اتار دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا ”خطبہ- جلسہ تقسیم اسناد“ ہی لے لیجیے۔ یہ خطبہ ان کی علییت، فلسفیانہ شعور، موضوع پر مضبوط گرفت اور ان کی قادر الکلامی کی واضح مثال ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جدید زمانے میں نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی برہمی اور بیزاری کے حل تلاش کرنے کے لیے کئی تعلیمی کمیشن قائم کیے گئے۔ مگر ہر طرح کی سعی کے ناکارہ ہونے کے بعد تعلیم کے ہر ماہر اور منجم

کو خواہ وہ مشرق کا ہو یا مغرب کا یہی کہتے سنا گیا کہ ہمارا نظام تعلیم ہماری زندگی کے مطابق نہیں۔ اس ناکامی کی وجہ رشید احمد صدیقی کے نزدیک اعلیٰ اخلاقی تربیت کا فقدان ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

”جسم اور جنس کے جتنے اور جیسے تقاضے ہو سکتے ہیں وہ کھلم کھلا ہر جگہ بغیر کسی رکاوٹ یا مواخذہ کے زیادہ سے زیادہ مقدار میں ادنیٰ سے ادنیٰ اشارے پر میسر ہیں۔ پھر یہ بے اطمینانی و نا آسودگی کیوں؟ معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان صرف جسم اور جنس کے تقاضوں اور ان کی آسودگی کے سامان فراہم کر دینے سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کو مختلف و بہتر اور برتر شے کی طلب اور تلاش ہے۔ ظاہر ہے وہ صرف انیاء، آرزو مند، سچائی اور خوبصورتی یعنی اقتدار اعلیٰ ہی کی پیروی سے مل سکتی

ہے۔“ (۱۵)

اکبر الہ آبادی کی طرح رشید احمد صدیقی کی دور رس نگاہوں کو جدید ترین تعلیم و ترقی کی راہ پر گامزن انسانی معاشرے میں زوال کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کے نزدیک اخلاقی اقدار سے بے پروائی معاشرے کو عدم توازن کا شکار کر دے گی۔ ہماری تعلیم میں یہ خرابی اس وجہ سے در آئی ہے کہ ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو آرٹ اور ادب سے الگ سمجھ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے پرستاروں کے ہاتھ ایک دوسرے کے کندھوں پر ہونے کی بجائے

ایک دوسرے کے گلے پر رہنے لگے ہیں۔“ (۱۶)

نقوش میں شائع ہونے والی ان کی تمام تحریریں خواہ وہ ان کی آپ بیتی ہو یا ان کی تقریریں، تنقیدی مضامین ہوں یا مزاحیہ مضامین، سب کے سب ادبی جواہر پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تحریروں میں رواں ان کی گہری طنز، سلیجی ظرافت اور عمیق فکر کے بڑے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ مشاہدے کی قوت، مرقع نگاری اور زبان و بیان کی لطافت ان کے ہر مضمون کا جوہر ہے۔ ان کی تحریریں جمالیاتی ذوق کی تسکین کے ساتھ تعمیری اور فکری مواد بھی فراہم کرتی ہیں۔ وہ اپنے چست اور تیکھے تقابلی جملوں میں بڑے کام کی بات کہہ جاتے ہیں۔ مثلاً ”اگر ہر کے کھیت

“، ”ہائیڈ پارک لندن“ اور ”ہندوستانی پارلیمنٹ“ میں دلچسپ مماثلتوں کو قائم کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

”یہ دیہاتیوں کی اسمبلی ہے جہاں عورتوں اور بچوں کو گاؤں کی انتظامی حکومت میں اتنا ہی دخل ہے

جتنا ہندوستانی پارلیمنٹ میں اراکین پارلیمنٹ کو۔ دونوں بولتے ہیں، ضد کرتے ہیں، جھگڑتے

ہیں، روتے ہیں اور اپنے اپنے گھر کا راستہ لیتے ہیں۔ دیہاتی اور بچے کچھ اور مفید کام کر جاتے

ہیں جس سے ان کو اور کھیت دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ہندوستانی اراکین پارلیمنٹ وہ کرتے ہیں

جس سے ان کو اور ہندوستان دونوں کو نقصان پہنچتا ہے۔“ (۱۷)

رسالہ نقوش میں رشید احمد صدیقی کے ان دلچسپ اور معلوماتی مضامین کے علاوہ ان کے چند خطوط بھی شائع ہوئے یہ خطوط دو حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ خطوط بنام رشید احمد صدیقی
۲۔ خطوط رشید احمد صدیقی
ان خطوط کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

۱۔ خطوط بنام رشید احمد صدیقی

بنام	تعداد خطوط	مشمولہ
۱۔ رشید احمد صدیقی	(۰۱)	مکتوب نگار، علامہ محمد اقبال، مشمولہ: نقوش، مکتبہ نمبر، جلد اول،

شمارہ ۶۵، ۶۶، سن ۱۹۵۷ء، ص ۳۱۰

رسالہ نقوش میں رشید احمد صدیقی کے نام لکھا ہوا صرف ایک خط شائع ہوا۔ یہ خط علامہ اقبال نے لکھا۔ اس مختصر سے جوابی خط میں علامہ محمد اقبال نے حافظ کے ایک شعر کے متعلق وضاحت کی ہے۔ کہ حافظ کے تینوں نسخوں میں سے زیادہ موزوں لفظ کون سا ہے۔

۲۔ خطوط رشید احمد صدیقی

بنام	تعداد خطوط	مشمولہ
۱۔ سلیم تمنائی	(۱)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد اول، ۱۹۶۸ء، ص ۴۴-۴۳۹
۲۔ مکیش اکبر آبادی	(۱)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد دوم، ۱۹۶۸ء، ص ۵۷-۵۶
۳۔ مولانا امتیاز علی عرشی	(۱۲)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد سوم، ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۸-۳۰۴
۴۔ طاہر فاروقی	(۲)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد سوم، ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۹-۳۰۸
۵۔ ظہیر احمد بدایونی	(۱)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد سوم، ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۹
۶۔ گوپی چند نارنگ	(۲)	مشمولہ نقوش، خطوط نمبر جلد سوم، ۱۹۶۸ء، ص ۴۵۷-۴۵۶
۷۔ طاہر فاروقی	(۱)	مکتبہ نمبر، جلد دوم، ۱۹۵۷ء، ص ۹۴۸
۸۔ محمد طفیل	(۱)	منٹو نمبر، ۱۹۵۵ء، ص ۳۷۵
۹۔ محمد طفیل	(۱)	پطرس نمبر، ۱۹۵۹ء، ص ۱۶

۱۰۔ محمد طفیل (۱) لاہور نمبر، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۴۱

۱۱۔ شورش کاشمیری (۱) ادبی معر کے نمبر، ۱۹۸۱ء، ص ۴۲۹

نقوش کے مختلف چھ نمبروں میں رشید احمد صدیقی کے کل پچیس (۲۵) خط شامل ہوئے جن میں سے ایک خط رشید احمد صدیقی کے نام تھا جبکہ باقی چوبیس (۲۴) خط رشید احمد صدیقی نے نو (۹) افراد کے نام لکھے۔ محمد طفیل کے نام لکھے گئے تین خطوط میں سے دو خط ایسے ہیں جو ”ذخیرہ نقوش“ کے غیر مطبوعہ خطوط میں بھی موجود ہیں۔ سلیم تمنائی کے خط پر تاریخ درج نہیں۔ نہ مصنف نے لکھی مرتب نے۔ اس طرح کے کئی اور خط بھی ہیں جن پر تاریخ درج نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے جو خط جیسا پایا اسے جوں کا توں چھاپ دیا۔ تاریخ تلاش کرنے کا تردد نہیں کیا۔

دیگر تحریروں کی طرح رشید احمد صدیقی کے یہ خط بھی ادبی حسن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ معمول کی گفتگو کو ایسے دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں کہ قاری جمالیاتی حظ اٹھائے بغیر نہیں رہتا۔ ان ہنستے مسکراتے جملوں میں دلکشی بھی ہے اور پیغام بھی۔ مثال کے طور پر سلیم تمنائی کو خط کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”آپ نے اپنا تعارف کروانے میں بڑی تفصیل سے کام لیا۔ جس کی ایسی ضرورت نہ

تھی۔“ (۱۸)

رشید احمد صدیقی کو خریداری کا شوق تھا۔ وہ جہاں جاتے کچھ نہ کچھ اپنے ذوق اور شوق کے مطابق خرید لیتے۔ اگر انھیں خود کہیں جانے کا موقع نہ ملتا تو وہ اپنے دوستوں سے فرمائش کر دیتے۔ ایسی ہی ایک فرمائش انھوں نے مکیش اکبر آبادی سے بھی کی۔ ان سے سرخ دری منگوانے کی فرمائش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”دعا ہے کہ آپ اتنے اچھے ہوں کہ اس طرح کی فرمائش سے بدخط نہ ہوں۔ اس سے بھی زیادہ

اچھے ہوتے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، صرف فرمائشوں میں اضافہ کرنا پڑے گا۔“ (۱۹)

طاہر فاروقی کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”آپ اتنے اچھے آدمی ہوتے ہوئے بھی دیوتاؤں کی نظر سے اب تک کیونکر اوجھل رہے جو ایسے

آدمی کو دنیا میں زیادہ دن جیے نہیں دیتے۔“ (۲۰)

رشید احمد صدیقی اپنے خطوط میں موضوع اور موقع کی مناسبت سے اپنے تنقیدی نکتہ نگاہ سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور بے تکلفانہ انداز سے علمی مباحث کو بھی زیر بحث لے آتے ہیں۔ محمد طفیل کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

”ہر اقبال کے بعد ایک سرسید کا آنا بہت ضروری ہے مقدم و موخر سے قطع نظر ہر قوم پستی سے

بندی کی طرف آنے کے لیے ایک اقبال اور ایک سرسید کی محتاج رہے گی۔“ (۲۱)
 رشید احمد صدیقی کی شخصیت اور ان کی تحریروں کو موضوع بنا کر ناقدین نے بہت کچھ لکھا۔ ماضی سے لے کر تا حال رشید شناسی کا یہ سفر جاری ہے۔ رشید احمد صدیقی اور ذخیرہ نقوش کا تیسرا حصہ وہ ہے جس میں رشید احمد صدیقی کی شخصیت اور فکر و فن کے متعلق ناقدین کی نگارشات موجود ہیں یہ حصہ بھی مزید دو حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ تنقیدی اور تاثراتی مضامین

۲۔ مسودہ ”آپ بیتی - رشید احمد صدیقی“

رسالہ ”نقوش“ کے شخصیت نمبر میں رشید احمد صدیقی کی شخصیت کے بارے میں دو مضامین شائع ہوئے۔ پہلا مضمون آل احمد سرور کا اور دوسرا خلیل الرحمن اعظمی کا لکھا ہوا ہے۔ آل احمد سرور سے رشید احمد صدیقی کے گہرے اور طویل روابط رہے۔ انھوں نے رشید احمد صدیقی کی سوانح اور شخصیت پر ایک سے زیادہ بار لکھا۔ اس بنا پر کئی جگہ معمولی اضافے اور کمی کے ساتھ ایک جیسی معلومات، واقعات اور آرا کا اعادہ ملتا ہے۔ رسالہ نقوش میں شائع ہونے والا ان کا مضمون بعنوان ”رشید احمد صدیقی“ تقریباً دس صفحات پر مشتمل ہے۔

اس مضمون کا کچھ حصہ ان کے سوانحی حالات پر مبنی ہے۔ جبکہ زیادہ تر شخصیت، مزاج اور کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ آل احمد سرور کا بہت سا وقت ان کے ساتھ گزرا۔ وہ سفر و حضر میں اکثر ان کے ساتھی رہے۔ وہ علی گڑھ اور رشید احمد صدیقی کے تعلقات، ان کی وابستگی اور وارفتگی سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے کئی واقعات کی مدد سے رشید احمد صدیقی کی خوبیوں کا ذکر کیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ان کی کمزوریوں کو بھی بیان کرتے رہے۔ تنقیدی اور تاثراتی انداز سے لکھے گئے اس مضمون میں رشید احمد صدیقی کی نگارشات کے حسن و خوبی پر بھی رائے دی گئی ہے۔ آل احمد سرور کا خیال ہے رشید احمد صدیقی کی شخصیت کے اصل جوہر ان کی تصنیفات میں نہیں بلکہ خطوط میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ:

”ان کی شخصیت کا سب سے بھرپور اظہار نہ ان کے مزاحیہ مضامین میں ہے، نہ قلمی حصوں میں، نہ

تنقیدوں میں نہ دوسرے مضامین میں، بلکہ ان کے خطوں میں ہے۔“ (۲۲)

دوسرا مضمون خلیل الرحمن اعظمی نے لکھا۔ مضمون کا عنوان ہے ”علی گڑھ کی شخصیتیں“۔ علی گڑھ کا ذکر آئے اور رشید احمد صدیقی کا تذکرہ نہ ہو یہ ممکن نہیں۔ خلیل الرحمن اعظمی نے اکابرین علی گڑھ پر مضمون تحریر کیا تو دیگر شخصیات کے ساتھ رشید احمد صدیقی کے متعلق اپنی یادداشتوں اور تاثرات پر مبنی خیالات کو بھی قلم بند کیا۔ رشید احمد صدیقی سے متعلق مضمون کا حصہ تقریباًڑھائی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے رشید احمد صدیقی کے ساتھ اپنے تعلق کے آغاز سے لے کر ان کے ساتھ گزرے ہوئے تمام تر وقت کے حوالے سے چیدہ چیدہ باتوں کا ذکر کیا۔ ان کے بیان کردہ تاثرات سے شخصیت کا وہی خاکہ بنتا ہے جو کہ رشید احمد صدیقی کے قریب رہنے والے ان کے دوست

احباب کے ہاں ملتا ہے۔ مصنف نے لکھا کہ ان کی تحریروں میں علی گڑھ کے بارے میں جو کچھ اور جس قدر لکھا ہوا ملتا تھا اس کے مطالعہ نے انھیں علی گڑھ سے تعلیم حاصل کرنے کی طرف متوجہ کیا اور مصنف کشاں کشاں علی گڑھ اور رشید احمد صدیقی کی محبت میں گرفتار اس درگاہ تک چلے آئے۔ رشید احمد صدیقی سے مل کر ان کا پہلا تاثر بھی وہی تھا جس کا اکثر شخصیت نگاروں نے ذکر کیا ہے۔ خلیل الرحمن اعظمی لکھتے ہیں:

”رشید احمد صدیقی کا شروع شروع میں مجھ پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ شکل و شبابت کے اعتبار سے بھی وہ کچھ یوں ہی سے ہیں۔ لباس اور چال ڈھال سے کسی طرح نہ پروفیسر معلوم ہوتے ہیں نہ ادیب اور نہ ہی کوئی قابل ذکر شخص، جو آدمی ان کو نہ جانتا ہو وہ اندازہ نہیں کر سکتا یہی رشید احمد صدیقی ہیں..... رشید صاحب کے قریب آنے کے بعد پہلا تاثر زائل ہو گیا اور آہستہ آہستہ ان کی شخصیت میں دلکشی نظر آنے لگی۔“ (۲۳)

رشید احمد صدیقی خود کو نمایاں کرنے میں زیادہ خود کو چھپانے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس کی وجہ ان کی طبیعت کا شرمیلہ پن بھی تھا اور ان کا مزاج کی یہ خوبی بھی کہ وہ شہرت پسند نہ تھے، مزاج کی انکساری، لباس کی سادگی اور خوشامدی حلقوں سے الگ تھلگ اور گریزاں رہنے کی عادت نہ ہوتی تو شاید صورتحال اس سے مختلف ہوتی۔ ان کے پسندیدہ لوگ بھی وہی تھے جو ذات کی نمود و نمائش، تعریف و توصیف اور خود پسندی سے بے نیاز تھے۔ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ کئی حوالوں سے اس کی عملی تفسیر بھی تھے۔ ”گنج ہائے گراں مایہ“ کے خاکے میں جو جملہ رشید احمد صدیقی نے ”ایوب عباسی“ کے بارے میں لکھا وہ خود ان پر بھی صادق!؟ تا ہے:

”پہلے پہل کوئی دیکھے تو منہ پھیر لے، برت لے تو غلام بن جائے،“ (۲۴)

یہ دونوں مضامین اپنی یادداشتوں کے حوالے سے بہت اہمیت کے حامل ہیں اور رشید احمد صدیقی کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان مضامین کے علاوہ رشید احمد صدیقی پر لکھی گئی ایک کتاب کا نامکمل مسودہ ذخیرہ نقوش میں موجود ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ مسودہ پندرہ (۱۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کی ابتدائی اور آخری پانچ (۵) صفحات قلمی ہیں جبکہ درمیان کے پانچ (۵) صفحات ٹائپ کے ہیں۔ پہلا صفحہ سرورق ہے جس پر کتاب کا نام وغیرہ درج ہے، دوسرے صفحے پر رشید احمد صدیقی ایک کا اقتباس درج ہے۔ تیسرا صفحہ فہرست مضامین پر مشتمل ہے۔ چوتھے صفحے سے ”عذر تقصیر“ کے عنوان سے مرتب ڈاکٹر سید معین الرحمن کے دیباچے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بعد مرتبہ کتاب کی فہرست کا آخری باب بعنوان ”میری داستان کا خلاصہ یہ ہے“ کا آغاز ہوتا ہے۔ قلمی تحریر اور ٹائپ شدہ صفحات، دونوں میں کئی جگہ لفظوں کو کاٹ کر تبدیل کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ مسودہ پروف ریڈنگ کرنے کے بعد ٹائپسٹ کو دینے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ نامکمل مسودہ ”آپ بیتی“ رشید احمد صدیقی کی طبع اول ۱۹۷۴ء کا ہے۔ اپنی کتاب کے اس ایڈیشن کے بارے میں ڈاکٹر سید معین الرحمن لکھتے ہیں:

”یہ کتاب ۶۳-۱۹۶۶ء دو برس میں مرتب ہوئی اور چار برس بعد ۱۹۷۰ء میں چھپی۔ لیکن بوجہ
 چھپی رہی اور شائع نہ ہو پائی۔ مزید چار برس بعد اب کہیں یہ اشاعت کا سفر پورا کر رہی
 ہے۔“ (۲۵)

ڈاکٹر سید معین الرحمن اردو کے اہم اور نامور محقق، نقاد اور ادیب ہیں۔ وہ غالب اور اقبال شناسی کے
 حوالے سے منفرد شناخت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر سید معین الرحمن، رشید احمد صدیقی کو اپنا روحانی استاد اور رہنما سمجھتے
 تھے۔ ان کی شخصیت، مزاج و کردار اور اسلوب پر رشید احمد صدیقی کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ رشید احمد صدیقی کی
 آپ بیتی مرتب کرنا ان کا ادبی کارنامہ بھی ہے اور اپنے ممدوح کیلئے نذرانہ عقیدت بھی ہے۔
 رشید احمد صدیقی ان خوش قسمت ادیبوں میں سے ہیں کہ جن کے فیض کا تسلسل نسل در نسل جاری و ساری
 ہے۔ وہ اپنے منفرد اسلوب، نفیس اور پاکیزہ ادبی افکار کی وجہ سے ہر دور میں مقبول اور پسندیدہ رہیں گے۔ ان کی
 تحریروں اور خطوط کا مطالعہ قارئین کے ادبی ذوق کی تربیت اور فکر انگیزی میں ہمیشہ معاون رہے گا۔ رشید احمد صدیقی
 کے قلمی نسخوں (خطوط اور مسودات) کی دستیابی ان کے مداحوں اور قدر شناسوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں ہے۔
 ان قلمی نسخوں کی مدد سے ان کی رواں اور بے تکلف تحریر کی املائی خصوصیات کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ لفظوں کی بناوٹ،
 خوش خطی، کاٹ چھانٹ، اضافے و ترامیم، کاغذ و روشنائی کا استعمال، تحریر کی ترتیب و تنظیم، پیرا گراف، رموز و اوقاف،
 صفحات کو آغاز سے اختتام تک لکھنے کے لیے استعمال کرنا، قلمی نسخوں سے میسر آنے والی ایسی معلومات ان کے نفسیاتی
 شعور اور مزاج کے مختلف پہلوؤں کی پردہ کشائی کرتی ہیں۔ ان قلمی نسخوں کی خارجی حسن و خوبی سے ان کی شخصیت کی
 نفاست، کفایت پسندی اور سلیقہ شعاری کا تاثر جھلکتا ہے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جملہ بنانے کے لیے انھیں بہت محنت
 اور شعوری کوشش سے کام نہیں لینا پڑتا تھا۔ زبان و بیان پر ان کی گرفت کا صحیح اندازہ ان کے خطوط پڑھنے کے بعد ہوتا
 ہے۔ آل احمد سرور رشید احمد صدیقی کے مضامین پر رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”جب لکھنے بیٹھتے تو پہلے بے ربط جملے اور فقرے نکلتے۔ لیکن اچانک خیالات کی بارش شروع ہوتی
 اور پھر وہ جلد ہی مضمون مکمل کر لیتے۔ مضمون مکمل کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کرتے، جا بجا

فقرے یا جملے بدلتے۔“ (۲۶)

ان کی یہ رائے مضامین کے بارے میں ہے مگر ان کے خطوط میں اس قسم کی قطع و برید کا کوئی نمونہ نہیں ملتا۔
 بے تکلفی اور بے ساختگی سے لکھی ہوئی خطوط کی رواں نثر منظم، مرتب اور مربوط ہے۔ کاٹ چھانٹ کے بغیر لکھے
 ہوئے ان کے جملے انشا پر دازی کے سبھی تقاضوں پر پورے اترتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا شمار ان اہل قلم حضرات
 میں ہوتا ہے۔ جو بڑی روانی اور سہولت سے لفظوں کو گینوں کی طرح جملوں میں جڑ دینے پر قدرت رکھتے تھے۔ یہ
 وصف انھیں قدرت کی طرف سے ودیعت تھا۔ ان کی ذہانت، ذکاوت، بذلہ سنجی، معنی خیز جملوں کی تہہ میں چھپی

دانشوری ان کے اسلوب کی پرکار بے تکلفی نے ان کی تحریروں کو حیات جاودانی عطا کر دی ہے۔ ان کی نگارشات اردو ادب کے اعلیٰ ادبی اور انشائی نمونوں میں شامل ہیں۔ بلاشبہ رشید احمد صدیقی کا نام اردو کے صاحب طرز اور صاحب اسلوب نثر نگاروں میں ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔

حواشی:

- ۱۔ جاوید طفیل، ”زبردستی کا رشتہ“، تحقیق نامہ (معاصرین کے مکاتیب بنام محمد طفیل) خصوصی شمارہ، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۵ء۔ ۲۰۰۶ء، ص: ۵
- ۲۔ محمد سعید، ”ادارہ نقوش کا ذخیرہ نوادرات“، تحقیق نامہ (معاصرین کے مکاتیب بنام محمد طفیل) خصوصی شمارہ، جی سی یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۵ء۔ ۲۰۰۶ء، ص: ۲۵
- ۳۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام مولانا احسن مارہروی، مورخہ ۱۸۔ جولائی سن ندارد، مخزنہ: نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی لاہور، لاہور۔
- ۴۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۵۹ء
- ۵۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۶۲ء
- ۶۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۶۲ء
- ۷۔ آل احمد سرور، ”رشید احمد صدیقی - ذاتی تاثر“، رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، مرتب: اصغر عباس، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ص: ۴۲
- ۸۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۶۶ء، مخزنہ: نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی لاہور، لاہور۔
- ۹۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۲۶ اگست ۱۹۶۰ء
- ۱۰۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۶ مئی ۱۹۵۹ء
- ۱۱۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۸ جولائی ۱۹۶۷ء
- ۱۲۔ رشید احمد صدیقی، ”ایک سڑک، ایک ستون، ایک سکول“، نقوش، شمارہ نمبر ۹۸، جون ۱۹۶۳ء، ص: ۱۱۵
- ۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۱۵
- ۱۴۔ رشید احمد صدیقی، غیر مطبوعہ خط بنام محمد طفیل، مورخہ ۱۹۶۳ء، مخزنہ: نقوش ریسرچ سینٹر، جی سی یونیورسٹی لاہور، لاہور
- ۱۵۔ رشید احمد صدیقی، ”خطبہ - جلسہ تقسیم اسناد“، نقوش، شمارہ نمبر ۱۱۸، جولائی ۱۹۷۳ء، ص: ۸

- ۱۶۔ ایضاً، ص: ۹
- ۱۷۔ رشید احمد صدیقی، ”ارہر کا کھیت“، نقوش، طنز و مزاح نمبر، شمارہ نمبر ۱۷-۲۷، فروری ۱۹۵۹ء، ص: ۵۴۹
- ۱۸۔ نقوش: (خطوط نمبر) جلد اول، شمارہ نمبر ۱۰۹، ۱۹۶۸ء، ص: ۴۳۹
- ۱۹۔ نقوش: (خطوط نمبر) جلد دوم، شمارہ نمبر ۱۰۹، ۱۹۶۸ء، ص: ۵۷۳
- ۲۰۔ نقوش: (مکاتیب نمبر) جلد دوم، شمارہ نمبر ۶۵-۶۶، ۱۹۵۷ء، ص: ۹۴۸
- ۲۱۔ نقوش: (لاہور نمبر)، شمارہ نمبر ۹۲، فروری ۱۹۶۳ء، ص: ۱۱۴۲
- ۲۲۔ نقوش: (شخصیات نمبر)، شمارہ نمبر ۴۷-۴۸، جون ۱۹۵۵ء، ص: ۲۸۹
- ۲۳۔ نقوش: (شخصیات نمبر)، شمارہ نمبر ۵۹-۶۰، ۱۹۵۶ء، ص: ۱۳۲۹
- ۲۴۔ رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۰۴
- ۲۵۔ آپ بیتی۔ رشید احمد صدیقی، مرتبہ: ڈاکٹر سید معین الرحمن، دہلی، کوہ نور پریس، جنوری ۱۹۷۷ء، ص: ۹
- ۲۶۔ آل احمد سرور، ”رشید احمد صدیقی - ذاتی تاثر“، رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، مرتب: اصغر عباس، علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ص: ۴۲